© rasailojaraid.com

پروفیسر خالد شبیر احمد

قصہ جمہوریت کے علمبرداروں کا

آئینہ تیرے حسن کی کیا خبر دے گا   میری غزل مرے شیشۂ خیال میں دیکھ

میں نے پاکستان بنتے ہوئے دیکھا ہے۔ قیام پاکستان سے لے کر اب تک پاکستان کی سیاسی تاریخ میرے سامنے ہے۔ میں نے کسی کتاب سے پاکستان کی سیاسی تاریخ نہیں پڑھی بلکہ یہ تاریخ میرا مشاہدہ ہے۔ ”شنیدہ کے بود مانند دیدہ“ کے مثل یہ تاریخ میری نظروں کے سامنے ہے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے جس سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا کہ یہ تاریخ اتنی شرمناک، ہولناک اور الم ناک ہے کہ اسے بیان کرتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ یہ ہمارا سب سے بڑا المیہ ہے کہ ہر انتخاب سے پہلے اگر ایک سیاسی بحران ہوتا ہے تو انتخاب کے بعد یہ بحران اور شدید نوعیت اختیار کر لیتا ہے۔ ۲۰۱۳ء کے انتخابات سے پہلے بھی حالات اتنے خوش کن نہیں تھے لیکن انتخاب کے بعد اور خراب ہو گئے۔ دنیا کے جن ممالک میں جمہوریت ہے وہاں اگر سیاسی بحران پیدا ہو جائے تو انتخاب کے ذریعے ختم ہو جاتا ہے۔ مگر ہمارے ملک کے اندر الٹی گنگا بہتی ہے کہ انتخاب کے بعد سیاسی بحران اور شدید ہو جاتا ہے۔

موجودہ سیاسی حالات میں فوج دہشت گردی کے خلاف پوری دل جمعی کے ساتھ جنگ میں مصروف ہے۔ مگر سیاست دان ایسے حالات پیدا کر رہے ہیں کہ یہ جنگ کامیابی سے ہمکنار نہ ہو۔ اور ہمارے نئے سیاستدان عمران خان گھمسان خان بن گئے ہیں دھاندلی، دھاندلی کی رٹ لگا رکھی ہے اور کہتے ہیں کہ احتجاج، جلوس، جلسے، دھرنے جمہوریت کا حسن ہیں۔ ان سے بھلا کوئی پوچھے کہ جمہوریت یہاں ہے کہاں جس کے حسن کے لیے آپ سے باہر ہو رہے ہیں۔ جہاں غربت اور امارت کے درمیان اتنا بڑا فرق ہو جہاں امراء کے کتے اطلس و کمخواب کے غلافوں میں رات کو سوتے ہوں اور غریب کو سر چھپانے کے لیے چھوٹی سی کٹیا بھی نصیب نہ ہو، جہاں نہ تعلیم ہو نہ سیاسی شعور، نہ اچھی تربیت، نہ احساس ذمہ داری، جہاں انتخاب کو زندگی اور موت کا مسئلہ بنا لیا جائے۔ وہاں آپ برطانیہ کی طرح کے انتخاب کی توقع رکھتے ہیں تو اپنے دماغ کا علاج کرائیں۔ یہ بات تو اب کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ اس ملک کو تباہی کے کنارے لانے والے خود اس ملک کے سیاست دان ہیں۔ جو سیاست کو تجارت میں تبدیل کر چکے ہیں۔ جن کے ہاں سیاست کا مطلب و معنی حکمت و دانائی نہیں ہے بلکہ خباثت ہے۔ جو مفلوک الحال لوگوں کا خون نچوڑ نچوڑ کر محلات تعمیر کر کے پاکستان کی معاشی و معاشرتی و سیاسی حالات ایسے موڑ پر لے آئے ہیں کہ کہنا پڑتا ہے

حالات کے مقتل میں کھڑا سوچ رہا ہوں   احساس کے زخموں سے کہیں مر ہی نہ جاؤں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر سیاسی جماعتوں کا تاریخی حوالے سے جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ پاکستان کی سیاسی قیادتیں ہر زاویے، ہر حوالے اور ہر پہلو سے انتہائی غیر معیاری، خود غرض اور نااہل ثابت ہوئی ہیں۔ قیادتوں کے نااہل ہونے کے شواہد یوں تو لامتناہی ہیں لیکن ان میں بنیادی مظہر ہوسِ اقتدار ہے۔ اقتدار کی ہوس نے ہماری قیادت کے دلوں سے خوف خدا نکال دیا ہے۔ حب الوطنی کا جذبہ ان کے دلوں سے رخصت ہو چکا ہے۔ ایثار والے کردار کا تصور بھی ان کے دل و دماغ کے کسی گوشے میں موجود نہیں رہا۔ نہ کوئی موقف، نہ نصب العین، نہ منزل کا تصور، نہ تحمل، نہ برداشت، نہ حکمت، نہ دانائی اور نہ اتحاد و اتفاق جیسی کسی خوبی سے ان کا واسطہ ہی گویا نہیں ہے۔ اس کے برعکس ذاتی اور جماعتی مفادات کے لیے قومی مفادات کو مجروح کرنے کی روش سیاسی قیادتوں کی فطرت اور سرشت کا حصہ بن چکی ہے۔ یہ سب لوگ جو ملک کے اندر سیاست و جمہوریت کا کھٹ راگ الاپ رہتے ہیں۔ یہ سب پہلے اپنی ذات کے تابع ہیں اس کے بعد اپنی جماعت کے جس کے ذریعے مفادات حاصل کرتے ہیں اور یہ سب کچھ وہی ہے جو پاکستان کے آغاز سے ہی موجود ہے۔ وہ ابتدا تھی یہ اسی کا ارتقا ہے۔ خدا معلوم انتہا کیا ہو

خشتِ اوّل چو نہد معمار کج　　تا ثریا می رود دیوار کج

یا پھر کہہ لیجئے کہ

مٹی کی صلابت پہ نظر کس کی پڑی تھی　　شکوہ ہے اب کیسا بھلا کوزہ گروں سے

دین کا نعرہ لگا کر جب آپ دنیا بنانے لگ جائیں گے تو پھر یہی کچھ ہوگا جو ہو رہا ہے کہ کرپشن روکنے کے لیے فوج مستعد ہے لیکن سیاسی قیادتیں اس کی راہ روکنے کے لیے ہر حیلہ بروئے کار لا رہی ہیں۔

اس زوال کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ملک آزاد ہوا تو اس ملک کی قیادت ان لوگوں کے ہاتھ میں آئی۔ جن کا انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی میں کوئی حصہ نہ تھا۔ بلکہ جنھوں نے انگریزوں کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لیے ہر قوت بروئے کار لا کر انگریزوں کی خوشنودی حاصل کی اور انگریز سے مراعات اور مربعے حاصل کر کے اپنی امارت اور سرمایہ پرستی کے لیے ہاتھ پاؤں مارے۔ ان لوگوں نے اقتدار حاصل کر کے من مانی کی۔ دین کے نام پر ملک حاصل کیا اور دنیا بنانے میں اپنی پوری صلاحیتیں صرف کر دیں۔ اقبال جسے یہ مصوّرِ پاکستان کہتے ہیں اس کی بھی ایک نہ مانی۔ اقبال نے تو کہا تھا کہ:

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت　　ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ

پھر حادثہ یہ بھی ہے کہ جن دیوانوں نے فرنگی سامراج کے خلاف بغاوت کی، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، اپنی زندگی کا بیشتر حصہ قیدِ افرنگ میں گزارا......جن کی جدوجہد سے ملک آزاد ہوا......ان کے بارے میں یہ تاثر دینا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ وہ قوم کے غدار تھے۔ اچھا اگر وہ غدار تھے تو جن لوگوں نے اس ملک کی قیادت کی ہے یہ کہاں کے وفادار ہیں۔ اب موجودہ جماعتوں کے جتنے قائدین ہیں ان کو اکٹھا کر لیں۔ ان کے خاندان کے کن افراد نے انگریزوں کے خلاف جنگ حریت میں حصہ لیا۔ کسی کا کوئی باپ دادا ایسا ہے جس نے جنگ آزادی میں حصہ لیا ہو یہ تو دور کی بات ہے۔ یہ تو وہ لوگ تھے جنہیں انگریزوں کے قصیدہ پڑھنے کی وجہ سے سب کچھ مل گیا۔ جس کے یہ لوگ کسی طور مستحق ہی نہ تھے:

نیرنگیٔ سیاستِ دوراں تو دیکھئے　　منزل انھیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

یہی وہ سبب ہے جس کی سزا اس ملک کے عوام پاکستان کے قیام سے ہی بھگت رہے ہیں۔ جمہوریت کے ثمرات ہیں کہ ہم دن بدن غربت کی چکی میں پستے چلے جا رہے ہیں کہ اس نظام کی پہچان ہی یہ ہے کہ امیر، امیر سے امیر تر ہوتے جائیں اور غریب، غریب سے غریب تر:

کثرت و قلت کی ہے بازی گری جمہوریت　　زور پرستوں کی ہے جنگ زرگری جمہوریت
کہہ رہی ہے ''ہیروشیما'' کی کہانی آج بھی　　ظلمتوں کی داستاں ہے خوں بھری جمہوریت
خالدؔ و اقبالؔ دونوں کہہ رہے ہیں ایک بات　　بندۂ زردار کی ہے رہبری جمہوریت
جو کچھ کہا اقبالؔ نے اس میں نہیں ہے کچھ غلط　　جس کے ہر اک شعر میں مضمر شعورِ آگہی
ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام　　جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب　　تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

پاکستانی قیادت نے جمہوریت کو دین کی کرسی پر بٹھا کر اس کا طواف کرنا شروع کر دیا۔ لیکن عملاً جمہوریت کے ساتھ بھی مذاق ہوتا رہا۔ انہی سیاست دانوں نے ہی سب سے پہلا مارشل لگایا اور لگانے والا پاکستان کا پہلا صدر سکندر مرزا تھا۔ کیا یہ بھی سانحہ نہیں کہ جو ملک **لا الٰہ** کہہ کے بنایا گیا تھا۔ اس کا پہلا صدر میر جعفر کی اولاد سے تھا۔ جس کے بارے میں علامہ اقبال کہتے ہیں:

جعفر از بنگال و صادق از دکن　　ننگِ ملت، ننگِ دیں، ننگِ وطن

جنرل ایوب خان اس مارشل لا کے نتیجے میں آئے پھر اسی ایوب خان کے خلاف جمہوریت کی بحالی کی تحریک بھی ان سیاست دانوں نے ہی چلائی۔ ایوب کتا، ایوب کتا سے پاکستان کی سیاسی فضا گونج اٹھی پھر دیکھئے ان سیاست دانوں کی جمہوریت نوازی کہ جمہوریت کی بحالی کے لیے چلائی گئی تحریک کے بعد جنرل یحییٰ خان کی بدتر آمریت کو تسلیم کر کے گھروں میں آرام سے بیٹھ گئے تاکہ آنے والے انتخاب کے لیے تازہ دم ہوا جا سکے۔ پھر جنرل یحییٰ خان نے ''لیگل فریم آرڈر'' ان ہی جمہوریت کے خدمت گزاروں سے منوایا۔ انھی جمہوریت کے عاشقوں نے اسی ''لیگل فریم آرڈر'' کے تحت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ون یونٹ کو جنرل یحیٰی خان سے ختم کرایا۔ ''ون ووٹ ون مین'' منوایا۔ گویا تسلیم کر لیا کہ آئندہ حکومت کی سربراہی مشرقی پاکستان سے ہوگی کیونکہ ''ون مین ون ووٹ'' کے تحت تو اکثریت مشرقی پاکستان ہی ہونی تھی جو آبادی کے لحاظ سے مغربی پاکستان کی آبادی سے زیادہ تھی۔ آئین میں یہ درج تھا کہ قومی اسمبلی میں آدھے نمائندے مشرقی پاکستان سے ہونگے اور آدھے مغربی پاکستان سے۔ اگر صدر مشرقی پاکستان سے ہوگا تو وزیراعظم لازماً مغربی پاکستان سے اور اگر صدر مغربی پاکستان سے ہوگا تو پھر وزیراعظم لازماً مشرقی پاکستان سے ہوگا۔ ان بڑے بڑے قدآور سیاستدانوں نے سب کچھ بدلنا قبول کر لیا اور یہ جمہوریت کی خدمت کی۔ جنرل یحیٰی نے وہ سب کچھ ان سے منوالیا جو بعد میں مشرقی پاکستان کے سقوط کا ذریعہ بنا۔ پھر جب قومی اسمبلی میں مشرقی پاکستان کی اکثریت ہوئی تو انھیں حکومت دینے سے انکار کیا گیا۔ جس کے بعد آہستہ آہستہ حالات خراب تر ہوتے گئے اور ہمیں مشرقی پاکستان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ یہ ہے ان سیاست دانوں کا سیاسی شعور اور یہ ہے ان کی وہ خدمت جو جمہوریت کے لیے یہ کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں۔

سقوط ڈھاکہ کے بعد:

سقوط ڈھاکہ کے بعد جب ایک مرتبہ پھر اقتدار جمہوریت کے ان خدمت گزاروں کے سپرد ہوا تو پانچ سال کا عرصہ تو بخیر گزر گیا۔ لیکن ۱۹۷۷ء کے انتخاب کے دوران دو بڑی جمہوری جماعتوں کے درمیان شدید قسم کے اختلافات پیدا ہو گئے۔ مرکزی انتخاب کے دوسرے روز جب صوبائی انتخاب ہونے تھے اپوزیشن جماعتوں کے متحدہ اتحاد ''پاکستان قومی اتحاد'' نے مرکزی انتخاب میں ہونے والی دھاندلی کے خلاف انتخاب کا بائیکاٹ کر دیا اور یہ بائیکاٹ رفتہ رفتہ ایک تحریک کی شکل اختیار کر گیا۔ جس کی کوکھ سے ''نظام مصطفیٰ'' کی تحریک نے جنم لیا وہ آخر میں بالکل سول وار کی شکل اختیار کر گئی ملک کے اندر ہزاروں لوگ لقمہ اجل بن گئے۔ یہ دو بڑی جمہوریت نواز جماعتوں نے قوم کو انعام دیا اختلاف کو اس نہج تک لے گئے کہ مارشل لا لگانا پڑا۔ لوگوں نے مارشل کا استقبال دل کی گہرائیوں سے کیا بھنگڑے ڈالے گئے مٹھائی بانٹی گئی دیگیں چڑھائی گئیں۔ غرضیکہ جمہوریت کے شیدائیوں نے جمہوریت کے نام پر ملک کو سول وار کے حوالے کیا اور مارشل لا ان جمہوریت کے شیدائیوں سے نجات کا ذریعہ بنا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ سیاسی جماعتوں میں آپس میں انتخاب کے شفاف وغیر شفاف ہونے پر اختلاف تھا اور اس اختلاف نے ملک کو مارشل لا کے سپرد کر دیا۔ یہ وہ بڑی خدمت ہے جو جمہوریت کے چاہنے والوں نے سرانجام دی۔ لوگوں نے سیاسی جماعتوں کی اس خدمت پر جو کہ جمہوریت کے لیے تھی اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد یہ بحث بے معنی ہو کے رہ جاتی ہے کہ ضیاء الحق کے دور میں ملک کو فائدہ ہوا کہ نقصان۔ اگر نقصان ہی ہوا تو اس کی ذمہ دار یہی جمہوریت کی خدمت گزار سیاسی جماعتیں ہی تھیں۔ اس کے بعد یہ سیاسی جماعتیں کس منہ سے یہ بات کہہ سکتی ہیں کہ جمہوریت کے پروان نہ چڑھنے میں مارشل لا کا ہاتھ ہے جبکہ حقیقت بالکل اس کے برعکس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ:

''ایں ہمہ آوردۂ تست''

ضیاء الحق نے ۱۹۸۵ء میں غیر جماعتی انتخاب کرائے۔ جمہوریت کی طلب گاروں نے اس انتخات کا بائیکاٹ کیا کہ یہ جماعتی بنیادوں پر نہیں۔ اتنی جلدی یہ لوگ اتنا بڑا سانحہ بھول گئے کہ جو انتخابات ۱۹۷۷ء میں جماعتی بنیادوں پر ہوئے تھے اس میں آپ کا کیا کردار تھا۔ غیر جماعتی انتخابات کے نتیجے میں محمد خان جونیجو ملک کے وزیر اعظم بنے اور پارلیمنٹ نے آٹھویں ترمیم کے ذریعے وہ تمام قوانین جو مارشل لا کے دور میں پاس ہوئے انھیں آئین کا حصہ بنالیا گیا۔ اس آٹھویں ترمیم میں ہی ایک قانون 58/2-B بھی تھا۔ جس کے تحت صدر ریاست کو اس بات کا اختیار دیا گیا کہ جب صورت حال تقاضا کرے وہ مرکزی یا صوبائی اسمبلی کو توڑ سکتا ہے۔ یہ اختیار اس لیے بھی آئین کا حصہ بنایا گیا تھا کہ جمہوریت کے خدمت گزار سیاست دان ایسی حرکت پھر نہ کرسکیں جیسی انھوں نے ۱۹۷۷ء کے انتخابات کے بعد کی۔ سیاست دانوں کے سر پر یہ تلوار لٹکتی رہے اور وہ محتاط ہوں کہ کوئی مارشل لا کی صورت پیدا نہ ہو۔

بات یہ ہے کہ 58/2-B اگر چہ ضیاء الحق کی طرف سے آئین کا حصہ بنا لیکن اس کا عملی نفاذ کسی فوجی آمر نے نہیں کیا بلکہ اسے دوبار ملک کی خدمت کرنے والے جمہوریت کے عاشق سیاست دانوں نے ہی نافذ کیا۔ پہلی دفعہ صدر اسحاق کی طرف سے وزیر اعظم نواز شریف کو معزول کیا گیا اور پھر دوسری دفعہ 58/2-B کا نفاذ بھی پیپلز پارٹی کی طرف سے بنائے گئے صدر فاروق لغاری نے اپنی ہی جماعت کی وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کو معزول کر کے کیا

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے　　　اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

مندرجہ بالا صورت حال پیش کردہ اس موقف کے حق میں بطور دلیل پیش کی جاسکتی ہے کہ ملک کے سیاست دانوں کا یہ طبقہ ہی ہے جو جمہوریت کے علمبردار بنتے ہیں جس نے ہر مرحلہ پر ایسے فیصلے کیے کہ خود جمہوریت ہی اس سے قتل ہوئی:

روتا ہے اس پہ صدیوں سے یہ چرخِ نیلی فام　　　میرا ہی قتل ہوگیا میرے ہی ہات سے

مندرجہ بالا واقعات سے ثابت یہی ہوتا ہے کہ ملک کے سیاست دانوں کا یہی طبقہ جو جمہوریت کا علم کندھے پر اٹھاتے پھرتے ہیں انھوں نے ہی سیاست کے ہر موڑ پر اور اہم موقعہ پر غلط فیصلے کیے جس کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑا اور اب بھی بھگت رہی ہے۔ تحریک انصاف ایم کیوایم پیپلز پارٹی ہو کہ کوئی اور پارٹی...... ہر پارٹی ان نامساعد حالات کی پوری طرح ذمہ دار ہے۔ ملک چاروں طرف سے ہولناک حالات میں گھرا ہوا ہے، بھارت کھل کر اندرون ملک اور مشرقی باڈر پر جنگ کی صورت حال پیدا کر رہا ہے۔ ملک کے اندر بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' پوری طرح متحرک ہے فوج چاہتی ہے کہ ملک سے دہشت گردی اور کرپشن ختم ہو۔ لیکن یہ جمہوریت کے نام نہاد خادم ایسے حالات پیدا کر رہے ہیں کہ فوج اپنے اس ہم ترین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشن میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس کے باوجود دعویٰ ان کا یہ ہے کہ یہ جمہوری اقدار کی حفاظت کر رہے ہیں۔

آخر میں یہ بات بھی ہمیں دعوت فکر دے رہی ہے کہ بھارت میں یہ کام کیوں نہیں ہوتا۔ جمہوریت اور مارشل لا کی آنکھ مچولی صرف پاکستان کا ہی کیوں مقدر بن کے رہ گئی ہے۔ وہاں وہ جمہوریت کی اس طرح خدمت نہیں کرتے جس طرح ہمارے ملک کے سیاست دان جمہوریت کی خدمت کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ وہاں نہرو حکومت کرتا رہا جنگ آزادی میں اس کا وافر حصہ تھا۔ اس کے دورِ حکومت میں وہاں کی حکومت کے بنیادی ادارے مضبوط ہوئے۔ وہاں فوج اپنے دائرہ کار میں رہ کے کام کرتی ہے۔ ایک مثال سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ ساری عمر میں کالجوں میں پڑھاتا رہا ہوں نہ جانے کتنے پرنسپل میں نے دیکھے اور ان کے ساتھ کام بھی کیا جس کالج کا پرنسپل نالائق ہو اس کالج کا ہیڈ کلرک پرنسپلی کرتا ہے۔ کالج ہیڈ کلرک کے ہاتھ چلا جاتا ہے اور پرنسپل محض دستخط کرنے والی مشین بن کے رہ جاتا ہے جس ملک کے سیاست دان نالائق ہونگے وہاں پھر فوج آئے گی۔

سقوط ڈھاکہ کے بعد جب ہندوستان کا سپہ سالار جنرل اروڑا سنگھ دہلی ایئر پورٹ پر اترا تو اس کا پرجوش استقبال ہوا، عوام نے اسے کندھوں پر اٹھالیا، گلے میں ہار ڈالے اور اس کے حق میں نعرے لگائے۔ یہ واقعہ ہوا تو دوسرے دن جنرل اروڑا سنگھ کو اس وقت کی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے اپنے دفتر میں طلب کر لیا اور کہا کہ ''کل جو کچھ ہوا وہ ہو گیا آئندہ میں تمہیں عوام میں نہ دیکھوں تم نے جو کچھ کیا وہ تمہارا فرض تھا اس سے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اگر میں نے آئندہ عوام کی کسی تقریب میں دیکھا تو یاد رہے میرا نام اندرا گاندھی ہے''۔ اس کے بعد اس جنرل اروڑا سنگھ کا کہیں ذکر نہیں ملتا اسے زمین کھا گئی یا آسمان نے اچک لیا۔ اسے کہتے ہیں سیاسی قیادت اور پھر آپ کی لاڈلی جمہوریت بھی ایسی ہی فضا میں پروان چڑھتی ہے۔ جلسے، جلوس، دھرنے سے تو جمہوریت صرف حسین ہوتی ہے ایسے حسن سے قومی مفادات کو کیا فائدہ۔ آپ اسے حسین بناتے رہتے ہیں اور اٹھا کر کوئی جرنیل لے جاتا ہے۔ جو اسے گھر کی لونڈی بنالیتا ہے۔ یہ کھیل کہیں تو ختم ہونا چاہیے۔

تیسرا مارشل لا جنرل پرویز مشرف کا تھا۔ یہ مارشل لا تو بالکل دوسری نوعیت کا تھا جس کے بارے میں یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ یہ مارشل لا بھی سقوط ڈھاکہ کی طرح ایک بین الاقوامی سازش تھا۔ اس سازش میں امریکہ برطانیہ اور اسرائیل باقاعدہ شامل تھے۔ سازش پہلے تیار ہوئی مارشل لا بعد میں لگا کہنے والے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ''نائن الیون'' کا واقعہ اس سازش کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے وقوع پذیر ہوا۔ اب سازش کا مقصد کیا تھا طالبان کی افغانستان کے اندر اسلامی حکومت کو تباہ برباد کرنا۔ جنرل پرویز مشرف نے اقتدار میں آنے کے بعد جو کچھ کیا وہ اس سازش کا خود ایک بین ثبوت ہے۔ پرویز مشرف کے دور میں ایک اہم قادیانی نے متوازی حکومت کی قیادت کی، امریکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ڈالر لیے، افغانستان پر شدید نوعیت کی بمباری کر کے لاکھوں بے قصور لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ قبائل کی سرزمین جو کبھی پاکستان کا بازوئے شمشیر زن کہلاتا تھا، جنھوں نے آزاد کشمیر کا علاقہ فتح کر کے پاکستان کے حوالے کیا، ان پر بمباری کی گئی ان کے جوانوں کو شہید اور بچوں کو یتیم کر دیا گیا۔ پھر مزے کی بات یہ ہے کہ اس ساری کاروائی میں پاکستان کی سیاسی قیادت جو جمہوریت کے علمبردار تھے، وہ بھی پرویز مشرف کے مارشل لا کے گیت گانے لگ گئے۔ ایک نئی جماعت ق لیگ بن گئی جس میں مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی دونوں کے سرکردہ جمہوریت نواز سیاسی رہنما شامل تھے۔ جمہوریت کو مارشل لا نے اغوا کر لیا اور ایک عرصے تک یہ جمہوریت ایک فوجی آمر کے گھر کی لونڈی بنی رہی۔ جمہوریت کے علمبردار برملا کہتے رہے کہ ہم پرویز مشرف کو وردی میں ایک سو سال تک بھی بطور صدر تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں۔ یہ ہے ان جمہوریت کے علمبرداروں کی داستانِ رنج والم، پھر دیکھیے ان ہی جمہوریت پسند سیاسی قائدین پر کرپشن کے مقدمات بھی ہیں اور اس پر یہ نادم بھی نہیں ہیں۔ درمیان میں مولانا طاہر القادری صاحب بھی تشریف لائے انقلاب کے نعرے لگاتے رہے، عمران خان کے ساتھی بنے، لوگوں کو سردی میں بٹھا کر خوب سیاست اور جمہوریت کا مزہ اٹھایا۔ اب یوں غائب ہیں کہ کہیں نظر نہیں آتے۔ عمران خان صاحب نیا پاکستان بنانا چاہتے ہیں جیسے کسی دور میں بھٹو صاحب نے بھی نیا پاکستان بنایا تھا۔ ان سے کون کہے کہ پرانے پاکستان کو ہی ٹھیک کر لو۔ نیا بنانے پر تو بہت کچھ داؤ پر لگانا پڑے گا۔ جس کا اب پاکستان متحمل نہیں ہے۔ ایسے حالات پر یہی تبصرہ کیا جا سکتا ہے

نکلا تھا گھر سے عظمت رفتہ کو ڈھونڈنے　　طوفان میں لا کے چھوڑ گیا نا خدا مجھے
یہ شہرِ ناسپاس ، یہ ہنگامۂ ہوس　　ہر لمحہ میری زیست کا ہے کربلا مجھے
صدیوں سے میں سفر میں ہوں اپنی تلاش کے　　ملتا نہیں کہیں سے بھی اپنا پتا مجھے

☆......☆......☆

الغازی مشینری سٹور
ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں
بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

© rasailojaraid.com